مثنوی

گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

مقدمہ

منشی دیا شنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصب پر سرفراز تھے جو اس عہد میں نہایت معزز عہدہ خیال کیا جاتا تھا سخن پرستی کا دور دورہ تھا آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے - دونوں استادوں کے جوان سال و جولانی طبیعت تلامذہ وزیر، صبا، رند، خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستان سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں - پنڈت جی طبعی ذوق رکھتے تھے اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے - جملہ اصناف سخن میں بے تکلف جودت طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعری کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف گلزار نسیم کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

CHECKED-2002

یہ مثنوی گلزار نسیم امجد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کی گئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مرقوم ہے؎ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزار نسیم نام بنہاد + شد ز نوید لطف داد + تاریخ قبول روزگار باد

اسمیں مطلق کلام نہیں کہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت و مقبولیت اس مثنوی کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی اختصار کی تکمیل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے بیت کو ذہن کا سطح سجا دیا ہے لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جتنے غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب فہم اسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہونچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے - کوئی شبہ نہیں کہ یہی اسلوب لطیف استعارے اور نازک خیالیوں کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہائی ترقی کی خبر دیتے ہیں اگر اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے گلزار نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو اسمیں ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد ہی رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک قائم ہے نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی جابجا جواہر ریزوں کی طرح ضو فشانی کر رہے ہیں - چونکہ اردو شاعری کی ابتدا سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہل ہنود بھی اسی اصول کے پابند ہیں - پنڈت دیا شنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں - خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تمجید کو دست و گریباں کر دیا ہے جو انکی شاعری اور قدرت سخن پر دال ہے ؎ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر + پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے + یعنی کہ مطیع پنجتن ہے + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زباں کی پیش دستی

چاروں بیتوں میں سلسلہ بیان تدریج خیالات تناسب لفظی لطف بیان جذب تخیل - جودت ذہن - اور نزاکت فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

جسطرح اصولاً آغاز میں حمد و نعت لازم و ملزوم ہو اسیطرح مناجات بھی ضروری چیز خیال کیجاتی تھی یہ دستور بعض ایشیا کی شعرا میں محدود نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات فردوس گمگشتہ ہے۔ نسیم نے بھی گلزار نسیم میں حمد نعت کے بعد مناجاتیہ اشعار نظم کیے ہیں۔ اور محاورات کی پختگی۔ بلاغت اور ترقی زبان کی کافی وافی شہادت دیتی ہے لیکن اختصار کی چھری نے قینچی ہو کر ہر ایک شعر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہے جس پڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔

یارب ہے کو خامہ کو زباں دے + منقار ہزار داستاں دے + افسانۂ گل بکاولی کا + افسوں ہو بہار عاشقی کا + ہر چند سنا گیا ہے اُس کو + اُردو کی زباں میں سخن گو + وہ نثر تھا اور نظم دوں میں + اس مے کو دو آتشہ کروں میں + ہر چند چراغ اہل فن تھے + سلطان قلمرو سخن تھے + آگے اُنکے فروغ پایا + سورج کو چراغ ہے دکھانا + پر بحر سخن بھرا ہے باقی + دریا نہیں کار تشنہ ساقی + طعنہ ہے زبان نکتہ چیں کو + بکھری مری اہل خامہ میں کی + خوبی ہے کہ ہو دونوں کو تشہیر + ہو نیرنگ نسیم باغ کشمیر + نقطے ہوں سپند خوش بیانی + جدول ہوں حصار بدگمانی + جو نقطہ لکھوں ہو ایک حرف آگے + مرکز پہ پرکار سی کشش ہو کہ پہنچ جائے۔ اب کچھ مثالیں رمز و کنایہ کی دکھائی جاتی ہیں ایسے موقع پر اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں حسن کی اور طرز بیان میں عجیب شوخی قابل داد ہے۔ عاشق و معشوق کی بات طباعی اور بے تکلفی مکالمہ کے ساتھ تشبیہ استعارہ اور محاورات کی خوبیاں ایسا حق ادا کر رہی ہیں سو

تعجب وہ صبح ہوگیا فاش   خندان صدا اٹھا وہ شاباش   اُس غنچہ دہن کا مسکرانا   بے رنگ بکاولی نے جانا   منہ تو منہ کھا ہنسی کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی ہے   بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا   آتش کیا اب دیکھتا تھا   بولی وہ کہ ہم ہیں اپنی تعبیر   دلسوزی کرتی کاٹو کی دکھیر
بولا وہ کہ اتنکو افق میں   خورشید تھا آتش شفق میں   بولی وہ کہ مہرباں تب دوز   عالم میں ہے گرگ نیلوفر روز   بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا
گلزار خلیل ہر دو تھا   بولی وہ بشر ہو تم دلاور   سمندر ہو تو تم آتشی پر   بولا کر دیکھی ایک شبستان   شعلہ ہوا انجمن میں تاباں
بولی وہ کہ شعلہ میں ہوئی ہیں   جو بار نپٹا نوازتی ہوں   بولا وہ کہ جب ہوا اجالا   بخشا ہمہ انجمن نے ہالا   ہالہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا   گھبرائی پری کہ بین کیا ہے   بولا وہ کہ ہار تو لکھا ہے   کاغذ ہی ہے جسکے رات لایا   یہ جاتی ہو وہ چھپا کے وہ لالہ

محاورات و ضرب المثال کی بھی کمی نہیں نسیم کے کلام کی مقبولیت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ مثنوی کے اشعار ضرب المثل کے موقع پر گوشہ زد ہو گئے ہیں۔ مثلاً: سبب مذہب ہو نیا ہے دین   پتھر کی طرح دبا ہے دامن   کیا لطف جو غیر پردہ کھولے   جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

گلزار نسیم میں سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں ڈھلا ہوا ہے جو روش شروع میں اختیار کی گئی وہ آخر تک قائم رہی ہے۔ پہلا اختصار کو لیجئے۔ اسکی نسبت خود اہل نسیم کا بہت درست دعویٰ ہے کہ کسی جگہ سے اگر ایک بیت بھی کم کر دی جائے تو قصہ کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں تناسب لفظی کی حالت ہے کہ مثنوی کی ہر بیت چھٹی کی دلہن معلوم ہوتی ہے۔ تلاش کرنے والی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو اسمیں صنعتوں کی

جھلک جگمگاتی دکھائی دے۔ مثلاً ؎ ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہو - بو ہو کے تو گُل اڑا نہیں ہو۔
خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہو اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہو۔ اسکے تمام مطالب اسی پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیاد ہی محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہیں صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اُتنا ہی بہتر ہو لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہو بلکہ سچ تو یہ ہو کہ ان موقعوں پر اسکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہو۔ ایک جگہ وصل کی تصویر اُتارتے ہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہو ؎
کاوش پہ ہوا گہر سے الماس ؛ شیشے نے بجھائی آگ کی پیاس ؛ پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچنے میں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انمیں مصور کاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہو ؎ صورت میں خیال رہ گئی وہ + ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہو، جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہو تو اسنے اپنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا تماشہ ہو جسمیں فطرت کی چلتی پھرتی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں چونکہ جن چیزوں کے نام جن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے ملازمہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہو اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گنگا انھیں کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہو ؎
سنبل مرا تازیانہ لانا ؛ شمشاد سے سولی پر چڑھانا ؛ نرگس کی نگاہ بازیاں کیں ؛ سوسن نے زبان درازیاں کیں ؛ پتا بھی ہتا کو جو نہ پایا ؛ کہنے لگیں کیا ہوا خدایا ؛ اپنی جگہ سے پھول لگیا تو ان بیگا دتھا سنو کی سا کون ؛ شبنم کے سوا چرانے والا ؛ اوپر کا تھا کون آنیوالا ؛ او باد صبا ہوا نہ بتلا ؛ خوشبو ہی سنگھا پتا پتا بتلا ؛ انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد ؛ تھا دم بخود اسکی شکل فرہاد۔
اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن بھرا ہوا ہو۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہو۔ زبان کی عمدگی محاورات کی خوبی صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم چستی بندش حسن تخیل سب ہی کچھ موجود ہو البتہ اتنا ضرور ہو کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہو۔
پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ سکتے اس کمی کو پورا کر دیتے۔ انھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اُردو زبان کی بقا تک موجود اور سدا بہار رہیگی۔

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنجتن ہے

ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زبان کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کیواسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے
منقار ہزار داستاں دے

افسانہ گل بکاؤلی کا
افسوں ہو بہار عاشقی کا

ہر چند سنا گیا ہے اس کو
اردو کی زبان میں سخن گو

وہ نثر ہے داد نظم دوں میں
اس مے کو دو آتشہ کروں میں

ہر چند اگلے جو اہل فن تھے
سلطان قلمرو سخن تھے

آگے اُن کے فروغ پانا
سورج کو چراغ ہے دکھانا

پر بحر سخن سدا ہے باقی
دریا نہیں کار بند ساقی

ٹکڑے سے زبان نکتہ چیں ہو دوکے
رکھ لے مری اہل خامہ میں نوک

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
تیر نگہ نسیم باغ کشمیر

نقطے ہوں سپید خوش بیانی
جد ورق ہو مدار سحر خوانی

جو نکتہ لکھوں نہیں نہ حرف آئے
ہر گز سخن مری ہو پیچ جائے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی
یوں نقل ہے خامے کی زبانی

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذی جاہ

لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ

خالق نے دیئے تھے چار فرزند
دانا عاقل فہمی خردمند

فشہ ایک اور نے جمایا — پس ماندہ کا پیش چشم آیا
امید کے نخل نے دیا بار — خورشید حمل ہوا نمودار
وہ نور کے صدقے مہر انور — وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں کے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو — پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفل ابتر — مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا افسر خسرواں وہ گلفام — پالا تاج الملوک رکھ نام
جب نام خدا جواں ہوا وہ — مانند نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی
مہر لب شہ ہوئی خموشی — کی نور بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور — خارج ہوا نور دیدۂ کور
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سرمۂ طور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے — مختار ہے جس طرح نباہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا تجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

بیاض جو سفید چشم صفحا — یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
تھا ایک کحال پیر دیریں — جیسی کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مرد خدا بہت گراہا — سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل — پلکوں سے اُسی پہ مار جھنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی — ہے مہر گیا اُسی چمن کی
اُسنے تو گل ارم بتایا — لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار — رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ — لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گرد جا بہ برباد — یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا — دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
پوچھا تم لوگ کے خیل — جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی — جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سلطان زین الملوک شہزور — دیدار پسر سے ہو گیا کور
منظور علاج روشنی ہے — مطلوب گل بکاؤلی ہے
گل کی جو خبر سنائی اسکو — گلشن کی ہوا بتائی اسکو
ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر — قسمت پہ چلا وہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی — یوں لائی ہے رنگ بد طرازی
یک چند پھرا کیا وہ انبوہ — صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بلبل ہوئے سب ہزارجی سے — گل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سر شام — فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر — جھمکے ستارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے — جویائے گل اُسطرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی — اُس ماہ کی واں ذبابہ و زر
دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا — نقارہ پہ لو شوے دلبر آیا
بجتا و بجانہ تھے اسکے انجان — نقارہ و چوب میں تھی چوٹ

دروازہ پہ وہ لگی ہوئی تھی / آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی / باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بٹھلا کے جوئے کا ذکر اُٹھا کر / چوسر میں وہ لوٹتی سراسر
جیت اسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا / اُسکا کوئی ہتکھنڈا نہ پاتا
بلّی کا سر چہرا غدار ان تھا / چوہا پانسے کا پاسبان تھا
اُلٹاتی اڑاتی یہ قسمت آسا / بلّی جو دیا تو نو شش پانسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں / قسمت نے کھلائے یہ بھی چاروں
صیاد نی لائی پھانس کر صید / کرسی پہ بٹھا لئے نقش امید
گھاتیں ہوئی دلربائیوں کی / باتیں ہوئیں آشنائیوں کی
رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر / کھیلی وہ کھلاڑی بازی بدکر
وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے / بازی چوسر کی کھیل سمجھے
منہ ورلے تھے مال و زر پہ کھیلے / سامان ہارے تو سر پہ کھیلے
بدبختی سے آخری جو اُٹھا / بندا ہونا بدا ہوا تھا
دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے / پیچے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے
اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا / پو پھٹتے ہی جگ انکا ٹوٹا
زندان کو سب چلے مجمل کر / نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر
لشکر میں سحر جو گیا سوئے شہر / پانی سا پھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے / یوں سمجھے یہ نقش ہے قلم سے
جاتا پیک رواں کا گزر لشکر / یعنی تاج الملوک ابتر
پایا جو سفر ہوا کہ یا الٰہی / لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
تھا ایک کنال تک سے چلکر / گذرا در باغ بیسوا پر
وہ مرد خجستہ سلسلہ پایہ / نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
جاتے تھے اُدھر سے دو جواری
کہتے تھے قریب دو کے گیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جوا ہے یہ کام
بلی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پانسے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بد اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پانسے کا چراغ کا الٹ پھیر
سوچا وہ کہ اتنے ہم ہیں آگاہ
اک بلی جو جھپٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر
اک روز اُسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہم شکل یہ سو لقا تھا اُسکا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
گھر لائی رنگیلی خوشی سے اسکو
اک ایک سے کی کر رہا تھا خواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سن تو مادر
شہزادوں کو جسنے نرچ کیا ہے
وہ شہر اک بیسوا ہے خود کام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سو جانے اُٹھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
نیولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ نرد گھر گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارۂ و چوب میں بجی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی — ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی
کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھلانا — جو سر کا جما وہ کارخانہ
وہ چشم و چراغ بیسوا کے — گرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا وہ کہ مارِ آستین تھا — چٹکی سے بجانے ہی وہیں تھا
بلّی تو چراغ پا تھی خاموش — بل ہوگیا موش کو فراموش
ہنس ہنس کے حریف نے رلایا — مانند چراغ اُسے جلایا
ہارے بہزار بدو ماتی — لی خضر نے غول سے چراتی؟
پانسے سے چلی نہ جعل سازی — اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی
سب ہار کے نقد و جنس ہارے — جیتے ہوئے بنئے بد کے ہارے
بنیاد جو کچھ تھی جب گنوائی — تب خود وہ کھلاڑ مہرے آئی
پھر پانسے نے کی نہ پاسداری — ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
پانسے کی بدی سے آشکارا — راجہ نل سلطنت سے ہارا
دانا کرے کب اسطرف میل — ہارا ہے جو سب کے نام سے بیل
ہارے دیکھا جو بیسوا نے — بندہ کیا عنبر کا خدا نے
سوچی کہ نہ اب بھی چال سہیئے — شادی کا مزہ نہ پا کیں رہیے
بولی بہزار عجز و زاری — تم جیتے میاں میں تم سے ہاری
لونڈی ہوں نہیں عدول مجکو — خدمت میں کرو قبول مجکو
بولا وہ کہ سن یہ بھیت دے چھوڑ — نقارہ دُر کو چوب سے توڑ
یہ مال یہ زر یہ جیتنے بندے — یو نہیں انھیں رکھو بچیں چندے
بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم — انشاء اللہ آتے ہیں پر ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور — گلزار ارم ہے پریوں کا گھر
انسان و پری کا سامنا کیا — مٹی میں ہوا کا تھامنا کیا
شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر — یہ کچھ بات نہیں جو رکھیے دلبر

انسان کی عقل اگر نہو گم ‏ ‏ ہر چشم پری میں جا ہے مردم
یہ کہہ کے اُٹھا کہ او جوان ‏ ‏ جاتے ہیں کہا خدا نگہبان
دولت تھی اگرچہ اختیاری ‏ ‏ پا مردی سے اسپ لات ماری
جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ ‏ ‏ جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ ‏ ‏ اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ ‏ ‏ یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار ‏ ‏ یعنے تاج الملوک دل زار
اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد ‏ ‏ صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
سائے کو پتا نہ تھا شجر کا ‏ ‏ عنقا تھا نام جانور کا
مرغان ہوا سے ہوش راہی ‏ ‏ نقش کف پا تھی ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں برگ و دد ‏ ‏ یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈانڈا اٹھا ارم کے بادشا کا ‏ ‏ اک دیو تھا پاسباں بلا کا
واثق اُسکے گورکن قضا کے ‏ ‏ دو شقے وہ عدم کے ناکے
سر پہ پایا بلا کو اس نے ‏ ‏ تسلیم کیا قضا کو اُس نے
بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک ‏ ‏ فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک
بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا ‏ ‏ حلوا بے دود بے گماں تھا
بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں ‏ ‏ اللہ اللہ شکر احساں
شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے ‏ ‏ اندیشے سے رہ گیا دہل کے
مل مارنے کی ہوئی جو دیری ‏ ‏ سبحان اللہ شان تیری
اُشتر کئی جا لیے اُدھر سے ‏ ‏ پُر آرد و روغن و شکر سے
وہ دیو لپک کے مار لایا ‏ ‏ عوداے ہوے شکار لایا
اونٹوں کی جو لوتھیں دباو لایا ‏ ‏ دم اُس سکا نہ اُس گھڑی سمایا

پورا سکے وہیں وہ بار بردوش
بیٹھا تو گرا اگر تو بیہوش

چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
یا بھاگ سکو تو راستہ لو

وہ اونٹ تھے کہ کاروانیوں کے
سب ٹھاٹھ تھے مہاجنوں کے

میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا
خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

حلوے کی پکا کے اک کڑاہی
شیرینی دیو کو چڑھائی

ہرچند کہ تھا وہ دیو کڑوا
حلوے سے کیا خمیر اسکا میٹھا

کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زاد واہ وا واہ

چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھ کو

بولا وہ کہ پہلے قول دیجے
پھر میں جو کہوں قبول کیجے

وہ ہاتھ پہ اسکے مار کر ہاتھ
بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ

بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
بد عہدی کی کچھ نہیں کمی ہے

گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
بولا کہ ارے بشر وہ گلبن

خورشید کے ہم نظر نہیں ہے
اندیشے کا واں گذر نہیں ہے

واں موج ہوا ہوا پہ اژدر
واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر

ہوتا نہ جو قول کا سہارا
بچتا نہ کہیں تو بشر بیچارا

رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور
شاید کچھ اُس سے بن پڑے طور

اک مٹکرے پر گیا بلایا
وہ مثل صدا کے دوڑ آیا

حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
ہے بشر یہ نوجوان ہمارا

مشتاق ارم کی سیر کا ہے
کوشش کرو کام خیر کا ہے

حمّالہ نام دیونی ایک
چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک

خط اسکو لکھا باین عبارت
اے خواہر مہربان سلامت

پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد
رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہر جا ہے کچھ جو سازش — مہمان ہے کیجو نوازش
خط لے کے بشر کو سنبلے اڑا دیو — پہونچا حالہ پاس لے کے دیو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا — بھیجے ہوئے کو سے گلے لگایا
اُس دیو کی پاس اک حسین تھی — زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
محمودہ نام دختِ آدم — سے لے آئی تھی دیکھے دیوتی دم
جوڑا ہمجنس با کھیم آیا — محمودہ سے کے گلے لگایا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ — دو وقت سے شام کو ملے وہ
تھے ضبط و حیا کے امتحان میں — پردہ رہا راہ میں کتاں میں
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ — خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
بولا وہ نسرود دل سحرگاہ — کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
بولی وہ کہ ہوئے کو ہوا ہے — جو غنچے کو گل کرے صبا ہے
بولا وہ کلی تو چاہتا ہوں — گل بانوں تو میں ابھی ہوا ہوں
پیراہن گل کی بو تھی مطلوب — یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
اول کبھی بد نگاہی اپنی — بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی
کھولی تھی زبان مہر انداز سے — کہتے سنتے اُٹھے سویرے
پوچھا حسنا لہ نے مرتجان — ناجنس ملا نکالے ارمان
بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم — دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
ناکامی کے جب وہ طور سمجھی — وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی
پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے — دیوانی ہے کہ درد لا دوا ہے
بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن — تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
وہ بولی جو تو کہے زباں سے — تارے تو اُتار دوں آسماں سے
چھپکے کو چھپا کے زیر چادر — محمودہ نے کہا کہ مادر
باپ اسکا ہو اندیشے بن کے مجہول — مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

دل داغ اسکا برا سے گل ہے
ساعی تھی بدل یہ کہنے والی
دیوؤں سے کہا کہ چہ سے بنجاؤ
سن حاجت نقب بہر گلگشت
پوشیدہ زمیں نے دلمیں کی راہ
جب پھر تہ زمیں سمایا
صحن چمن ارم میں اک جا
کھٹکا جو لگا ہوا نوں کا کھٹ
کوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
گو باغ کے پاسباں غضب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
خوش قد وہ چلا گل و چمن میں
ایوان بکاؤلی جدھر تھا
رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب
پھول اسکا اندھے کی دوا تھا
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پوشاک اتار اتر کے لایا
گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف
بارہ دری واں جو سونے کی تھی
گول اسکے ستون تھے ساعد حور
دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
پردہ جو حجاب سا اٹھایا
بندا سکی وہ چشم نرگسی تھی

نرگس کے لیے ہوا سے گل ہو
راہ اسنے سرنگ کی نکالی
تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ
کرتا جو ہوں اپنے دامن دشت
جب باندھ کے خوش کمر سے اسی راہ
اس نقب کی راہ وہ آدم آیا
بوٹا سا تہ زمیں سے نکلا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
خوشہ کوئی تا کتا نہ ہووے
خوابیدہ بہ رنگ سبزہ سب تھے
سوسن کی زباں خدا نے کی بند
شمشاد رواں ہوا چمن میں
حوض آئینہ وار ہم و در تھا
چند سے خورشید و چند سے مہتاب
رشک جام جہاں نما تھا
پہونچا لب حوض سے نہ جھجکل
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا
چوری سے چلا چراغ بر کف
سو خواب گہ بکاؤلی تھی
چلمن مژگان چشم مخمور
محراب سے در کے چشم و ابرو
آرام میں اس پری کو پایا
چھاتی پہ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — بُرجوں پہ سے چاندنی تھی سرکی
لپٹے تھے جو بال گردنوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا سے لگا دے — سوتے ہوئے فتنے کو جگا دے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہا کا ہے من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن
گل چین کے ہنسی نہ ہووے بالکل — خندہ نہ ہو برق حاصل گل
کچھ سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سازیں کے دل میں آیا — دُنبالہ کی طرح سے سمایا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہ دشت تاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیولی اور وہ دخت انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آ ملا وہ گلچیں — اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے — یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاولی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پُر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اُس سے اگر پڑا نہیں ہو
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
سنبل ہوا تازیانہ لانا
پھر آئیں خواصیں صورتِ بید
نرگس نے نگاہ با زباں کیں
پتا بھی پتے کو جب نہ پایا
اِن پتوں میں سے پھول لیگیا کون
شبنم کے سوا چرانے والا
جس آنکھ میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
بولی وہ بکاؤلی کہ افسوس
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
نام اُسکا صبا نہ لیتی تھی میں
گلچیں کا جو ہاتھ ٹوٹا
دو خار پڑا نہ تیرا چنگل
او بادِ صبا ہوا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہو
لرزاں تھی زمیں بید مجنوں کھڑا ہم
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
جھنجھل تھا سرو رخ میں کھڑا کٹھا
رنگ اُسکا غرض لگا بدلنے
بدلے کی انگوٹھی جو اصلی پائی
تھا نقش کہ نام کی نشانی
انگلی سمجھو نام اسکا سمجھا بات

بو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے
سوسن تو بتا کدھر گیا گل
شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
سوسن نے زبان درازیاں کیں
گونگے لگیں کیا ہوا خدایا
بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
تھا اور پری کون آنے والا
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس
پُتلی وہی چشمِ حوض کا تھا
اُس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
غنچے کی کلی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
شکلیں کس لیں نہ تو نے سنبل
خوشبو ہی سنگھا بتا نہ بتلا
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
ننگی سبزے سے راستہ ہو بر اندام
تھا دم بخود اُسکی سن کے فریاد
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
گلگشت سے کرنے لگی وہ ملنے
دست آویزہ اسکی ہاتھ آئی
انسان کی دست برد جانی
خاتم تھی بدل گیا ہے بد ذات

جس نے مجھے ہاتھ سے لگایا — وہ ہاتھ لگے کہیں حنا یا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے — کھال اسکی جو کھینچئے روا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک — خوں رو لی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں — سنبرے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو — اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ — آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اڑکے جاتی — گلچیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ — ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی — اس رنگ سے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے — پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے — اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں — یعنے تاج الملوک حق بیں
جس وقت وہ گل چمن سے لایا — محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی — بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا — جو بن کی طرح اسے ابھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب — رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں — ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہروش اور وہ ماہ پیکر — اس دیونی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اسکو — رخصت کی طلب سنائی اسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہ جاؤ — دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
وہ بال دیے کہ لو مری لاگ — جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سر پر بٹھا کے — پرواز کناں ہوا پہ جا کے

بولے کہ کدھر چلے گئے کہہ دو
وہ مڑ کے اُدھر کو اُڑ کے ہم آئے
وقت سحر اور خنک ہوا تھی
چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا
صدقے ہو کر کہا خوش آئے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہاں
مجھو وہ نام ہیں جو یہ ساتھ
جیتا جو پھرا وہ رشک شمشاد
شہزادے نے بھائیوں کے نام
چھوٹوں اُسنے تھا انکو تایا
داغا تو چلے تفنگ سے وہ
چھوڑا ہوس گل و چمن کو
بندوں کو کیا جب اُسنے آزاد
اسباب کو کشتیوں پہ کر بار
جب متصل آ گیا وطن کے
سوچا میں خود ہوں خانہ برباد
لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھے
لشکر کا اُنھیں کیا اشارہ
[illegible]

فردوس کے رُخ کہا ادھر کو
گلزار میں بیسوا کے لائے
گلگشت چمن میں بیسوا تھی
قدموں پہ گری وہ سایہ آسا
جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے
پُر ہے گل آرزو سے داماں
پھول انکے سبب سے آ گیا ہاتھ
قیدی سے لیے بیسوا نے آزاد
بھجوا دیا براے داغ پیغام
سنّچوں کھوٹوں نے داغ کھایا
چھوٹے کے قید نہ رنگ سے وہ
چاروں داغی پھرے وطن کو
آیا لب جو پہ رشک شمشاد
سونپا سب ناخدا کو گھر بار
کیا جانیے کیا پڑے گی افتاد
[illegible]

پتلی پہ زر گل آزمایا — سونے کو کسوٹی پر چڑھایا
گل سے ہوئی چشم کور تاباں — ہو جیسے چراغ سے چراغاں
منہ دیکھ کے اُسنے دی دعائیں — پنجے سے مژہ کے لیں بلائیں
گل کے جو اثر سے شادماں تھا — گلچیں وہ ہوا سے بدگماں تھا

ملنا چاروں شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ — یوں خار رہ قلم ہے ریشہ
یہ جا کے اُسی جگہ یہ ناگاہ — آ پہنچے وہ چاروں غول ہمراہ
کہتے تھے کہ واہ رے مقدر — کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کیا رنگ زمانہ نے دکھائے — گل لینے گئے تھے داغ لائے
کس منہ سے پدر کے آگے جائیں — کیونکر یہ بے پھول منہ دکھائیں
ٹھہرائی کہ اور پھول لیجائیں — جھال کر بے وقوف ٹھہرائیں
اک یاد ہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول پھول کر غول
کیا پھول ہے کیا اثر ہو آئیں — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
وہ کور کہ تھا پھکا بینا — دیکھا اُسنے جو یہ قرینا
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے — اُس پھول کی اور رنگ بو ہے
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں — دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھل جائیں
میں کور رہا کبھی تھا اب ہوں بینا — اندھا نہیں اب ہوا ہوں بینا
چاروں کو ہوئی حسرت گل تو — جھپٹا وہ ہوا کی طرح چل کر
اُس جوگی کے جب برابر آ کے — باہم کہا دیکھو پھول لاکے
گل ہے کہ علاج نور ہے یہ — گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ
جو ... یعنی وہ شاہزادہ — بیٹا ... نہیں نہ پیادہ
پاتے ذکر اُس درخت کی چھپا لوں — ... ہم زمین باندھ پاؤں

ڈینگ آپ کی سب فضول ہو یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن منتّ بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے شکل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ و نخواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آگیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — حیرت کے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹا دی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے توانگر
بجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہونچنا بکاولی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے
وہ باد چمن خرامان — یعنی وہ بکاولی پریشان
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آکے آہ لے آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زبان تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستان تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آ ملی پریزاد
سلطان کی سواری آرہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آدم [illegible] — انسان ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے ہے کون سا گل چمن کدھر ہے
دی اُسنے دعا کہا بصد سوز فرخ ہوں تمہا میں ابن فیروز
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
گھر بار سے کیا فقیر کو کام کیا لیجئے چھوڑے گانوں کا نام
پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت پوچھا کہ طلب کہا قناعت
باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ لایا بصد افتیاز ہمراہ
چہرے سے امیرزادہ پایا گھر لا کے وزیر اُسے بنایا
نذریں لیے بندگان درگاہ دستور سے آملے بصد جاہ
دربار میں چاروں شاہزادے دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے
چاہا گلچیں کا امتحاں لے پوچھا کہ نگیں جو سے کہاں سے
بتلانے لگے وہ چاروں ناداں کوئی یمن اور کوئی بدخشاں
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے خاتم سے نگیں بنائے ہوتے

تجویز میں کہا یہ صاحب فکر آیا تاج الملوک کا ذکر
نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے ان سادو لنے کندہ کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون اپنا پر شمیم طالع سے لیا شگون اپنا
منزل کہ رہرواں بنا کے شام و سحر امیں آپ آ کے
رہرو کو دیا بلطف و اکرام آرام سے آرام جائے پیغام
آباد ہوا تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہوا
تعمیر مکاں سے ہیں جو آثار یوں خامہ ہے ہر بیت معمار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا گل پائے سے خوش چمن چمن تھا
اندیشے کو کیا سبب اُسنے بتیا اور واغیوں سے وہ پھول چھینا
سوچا کہ خوشی حسد اکی غم کہاؤ حمالہ دیونی کو بلواؤ
نقل ارم اک مکان بنا کے رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی وہ دیوی بال باندھی آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں
دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا مسکن کے لیے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ جو باغ بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ گلزار ارم ہو ایسا بن بساؤ
صناع طلسم کار تھے وہ گلشن کے لیے بہار تھے وہ
دیوؤں نے اُدھر محل بنایا کشتی سے وہ دخت رز کو لایا
حمالہ اس کی مادر پیر محمودہ سے ہوئی بغل گیر
کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہ ہیں پر رخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بدن کو لایا نسرین بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا پھل نخل ہوا وصلت کا چکھا
دیوؤں کو کہا کہ بہر تسکیں آباد ہو گلشن رنگا رہیں
وہ لو آدمی بھٹکے بن میں آئے آتے جاتے کو گھیر لائے
جو شن کے خبر گیا اُدھر کو جنت سے وہ گھبرا آئے گھر کو
از بسکہ قریب شہر تھا باغ خورشید افق نظر پڑا باغ
مفلس زردار امیر قلاش نوکر تاجر فقیر خوش باش
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان گلشن میں بسے آ کے صفوت جہان

ملاقات ٹھہرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا تو سیر آگیں یوں صفحہ قلم سے ہے نگارین
ساعد نام ایک سیم لقا تھا وزیر کا غلام باوفا تھا
صحرا سے جو سیر کر کے آیا لکڑی کا چکلا سر پہ بوجھ لایا
دلوا کے ہر ایک کو بیلے قوت الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر — کچھ ٹھہرے پھر آ گئے جانب شہر
کف میں وہ لعل بے بہا تھے — سن پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
شحنے نے تنہا پکڑ بلایا — لے کر اظہار ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید — اک دائرہ تھا برنگ خورشید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا — بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا تو دربان — لائے اُسے پیشگاہ سلطان
آداب کیا ادب سے ٹھہرا — ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ — معروض کیا کہ یا شہنشاہ
کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر — چوری کے تو یہ نہیں جواہر
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد — نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
حضرت یہ وہی تو ہیں ثمر دار — جا لینے نہ پولیں خبر دار
پھر کر انھیں پاؤں شحنہ بے آس — آیا زین الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اک بنا ہے — یہ شہر اجڑا ہے وہ بسا ہے
جو کوئی سبب اُس جگہ پہ جاتا — ڈھیروں سے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ بس نہ خیرہ — قاروں کا وہیں ہو گیا ذخیرہ
فرخ کہ وزیر با خرد تھا — سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ — پر کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج — رکھتا تھا محل میں بارور زوج
تھا داغ پسر سے مضطر اس کو — جتنی تھی ہمیشہ دختر اسکو
از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر — کرتا تھا حسد سے قتل دختر
اکبار رحمل میں پھر حمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
بیٹا جو نہ دے جناب باری

اقبال کا یکھا نہ جانے اوج
کر ڈالیے ذبح دختر و زوج

کنیاں تھی غرض کہ رانیں اسکی
پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی

سلطاں کا جو عہد بے محل تھا
گھر والوں کو خوف کا محل تھا

ملحوظ بدل تھا پردۂ راز
سیارہ شناسوں سے کیا ساز

ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند

پھر اہل نجوم محرم راز
بانو نے فلک سے ہو گئے دمساز

بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
گویا ہوئے دست بستہ آ کے

حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
بد بین مگر ہے ایک اختر

جب تک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں

حیلہ کر کے چھپا لی یک چند
بیتاب ہوا جب آرزومند

وہ گندم جو نما تھی بالی
مردانہ لباس سے نکالی

خوش ہو کے پدر نے پھر شادی
ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی

بن ٹھن کے عروس شکل داماد
شادی کو چلی بجان ناشاد

اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
اور روز نکاح تھا سویرے

خیمے سے وہ بیقرار نکلی
اُس پھالے سے مثل خار نکلی

دیکھا تو اندھیری رات سنسان
اک عالم ہو ہے اور بیاباں

اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
جویائے شکار دشت میں تھا

دیکھا تو کہا خضر سے آؤ
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ

بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد
کیوں تنگ ہوئی ہے کیا ہے بیداد

اے مرد خدا خدا کی سوگند
کہہ جس لیے ہو تو آرزومند

بولی وہ کہ یہ خیال ہو خام
خنجر کا ہو گیا تمام سے کام

کھل کر کے ڈھلے بندوں حیا کی نکلی
لیے تنگ ہوئی وہ شوخ نکلی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا
تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا

خاطر تری سے طلسم دکھلاؤں
تو مجھ سی سے نہیں تمہا بن جاؤں

موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ
کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ

پائے مردانگی کے پرتو
دامن میں سے دی چراغ نے لو

تھالی میں یہاں اگا صنوبر
ڈالی شیشہ رہا ترشح کے ساغر

اب یاں سے ہو قصہ مختصر طول
فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول

بولا کہ سنا جو یہ ہوا ہے
اس بات کا کچھ وجود کیا ہے

شہ نے کہا سن وزیر دانا
ہے دیکھے سنے کو کس نے مانا

یاد آئی مجھے بھی اک روایت
یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
دانا تھا وہ طائر چمن زاد

بولا جب اس نے باندھے بازو
کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو

بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں

پالا تو مفارقت ہے انجام
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام

بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
سمجھاؤں جو پند اسکی گرہ باندھ

سن کوئی ہزار کچھ سناوے
کیجے وہی جو سمجھ میں آوے

قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت
عاجز ہو تو ہار لیے نہ ہمت

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اسکا غم نہ کیجے

طائر کے یہ سن کلام صیاد
بن داموں ہوا غلام صیاد

بازو کے جو بند کھول ڈالے
طائر نے تڑپ کے پر نکالے

اک شاخ پہ جا چہک کے بولا
کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا

ہمت نے مری مجھے اڑایا
غفلت نے تری تجھے چھوڑایا

دولت نہ نصیب میں تھی تیرے
تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہوئے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے میں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں یکایک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
سمجھا کہ بسا ہے مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں زمیں داری
خیر اب بھی بہ فتح شہر جو چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
درویش ہیں دل کے بادشاہ ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ مقدر کی بلا جانے
بولا وہ کہ خنجر تا بہ فردا
یہ کہہ کے کھڑا وزیر آیا

چاہا پھر کچھ لگا سے لائے
طائر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
کر بیٹھے یک بیک خبر بار
دیکھا آ جو نکلے دربار تو وہ
دکھلائی دیا وہ نقش ما
گلزار ارم سے تھا خوش آئند
پردیس میں ہوں کہ گھر میں ہوں
حیران وہ وزیر شہ تک آ
ٹھہرا تو وہ بادشاہ بنا
کیا جانے کہ خود بخود کون
بولا وہ کہ نام سے ہی کیا کام
پھیلا ہے زمین آسمان کا پھیلا
بن کھیلا مکان بنا ہے
حضرت کا بڑا ہے آپ پرا
آبادی میں آ کے یہ خرابا
پھر آنکھوں سے چھپکے چھپکے سا
شہر جس سے پھیل وہ نشہ
مسند کے نیچے پھر گرا
مشکل دل بدگمان کا تھا
باہم مہر و مہر کا قران
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آ
اٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
پہونچا تو وہ شہر خالی پایا

شہزادۂ شہ محل میں سکتے والا
شہ نے جو وزیر آ کے دیکھا
سلطاں کے نثار ہو کے دستور
دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت
تختہ ہے زمرد کا سیفو
نقشہ ابھرا کیا نگار خانہ
دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد
واں صاحب تاج و تخت جو ہے
دیو آ کے محل میں آ گئے ہیں
کل آپ بھی چل کے دیکھیے پھر

برہم زدہ بزم کے چراغاں
نہ فرخ فرخ پکار اٹھا
کھولا کہ بلا سے شاہ ہو دور
ہے کو معدن لعل و کان یاقوت
گلشن ہے جو اہرمن کا جادو
جادو کا تمام کارخانہ
رہتے والے ہیں آدمی زاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے
جادو سے محل بنا گئے ہیں
شہزادہ گھر آیا ہوں کہا خیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خاصیت یہ واشگاف یوں ہے
فرخ جو گیا تو شاہزادہ
رکھا کرسی پہ دوسرا پاؤں
دعوت کی اسے خبر سنائی
ہیچ شموں سے چیتوں اسکی تار ہی
غیروں سے جو تھا بھرا پیالہ
تنہائی آنکھوں سے رات بھر کی
سمجھے ہی پھر وہ شاہزادہ
جو جو کہ امرا تھے سب بلا کے
مشرق سے رواں ہوا دلاور
بجلی سے جو زرق برق آئے
دیکھا تو تمام دشت گلزار

دل جلنے کی راہ تھا خیالوں کی
سوچا کہ میں تھا تھک کے زیادہ
حاضر ہوئی دیو کی پری پالکی
دیووں کے پرے آ کے آنکھ اٹھائی
پھولوں سے زمیں بن کی جھاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیابان
مشتاق تھے واں وہ شب سحر کی
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
فرخ کو چراغی میں بٹھا کے
جس طرح افق سے شاہ خاور
فرش ابر کی طرح بچھتے پالے
دائیں بائیں دو رستہ بازار

شہ کہتے تھے وقت پُرخسک تھا
غافل تھے کہ سیر باغ سے یہ
تجویز رہے تھے سب فرنگ
اشنے میں سنا کہ صاحب تاج
کیا لشکری اور کیا شہنشاہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیرا
شہزادے نے آہ دا ٹھکی پائی
دونوں میں ہو ہیں جو چار آنکھیں
ایوان جواہر میں آ کے
وہ بیٹھ کے زیر سایہ بیٹھے
جو جو کہ توا صفات ہیں عالم
جنگجو ڈالی عطر الائچی پان
رغبت سے انھیں کھلا پلا کے
اس تاج شہی میں لگے نگیں ہیں
سلطاں نے کہا بصد لطافت
اک اور ہوا تھا قابل خشم
جب لائے یہ گل بکاؤلی کا
پوچھا اسنے وہ اب کدھر ہے
پوچھا شہزادہ نے کہ یا شاہ
اک انہیں سے چشم سنا تھا
بولا کہ حضور اد کھر تو دیکھیں
صورت سی دیکھی رنگ سا اور دیکھا ہو
یہ سنتے ہی اسنے خندہ کر کے

فرخ کہتا تھا کل تلک تھا سر قدموں سے شاہ نے اٹھایا
اپنے ہی جگر کا داغ سمجھ رہے لے کے بلائیں کاکلوں کی
جادو وا فسوں طلسم نیرنگ عرض اسنے کیا کہ دو پرستار
جلنا بڑے تھے سیاہ ہو تارا تارا حضرت نے کہا بلا سے خیر
سنا سے ہیں سنتے کہ انشاء اللہ شہزادے نے اک مکان تبایا
سب امن کی ہوس سے ہو گھر کو سب اٹھ گئے پر وہ چاروں باقی
کی تار دیر خانہ شہ پیشوائی کو شہزادہ اٹھا محل میں آیا
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں دلبر سے کہا میں جب کہوں آؤ
الماس کی شہ نشیں میں آ کے بیٹھے زرد پوش وہ سکھا سکے باہر آیا
افسر سب پایہ بپایہ دلبر نے کہا نچاؤں کی میں
لے آ کے خواتین نازک اندام اُٹھ چلا میں یہ چاروں شکست بنیاد
نقل و گزک و جام و خوان القاب یاروں کا سنتے ہی اتار رنگ
بولا شہزادہ مسکرا کے دکھلائی دیئے جو بیٹھے جیسے فرخ
کے نام و نشاں دلنشیں ہر پارہ دلبر تھے داغ وال شمشیر
یہ چار ہیں عنصر خلافت وہ جعل وہ پاد وہ غلامی
وہ نور بصر تھا دشمن چشم وہ دسترس اور وہ پا بپری
نکلا تب خانماں سے کشتی تا وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
سلطاں نے کہا کہ کیا خبر اور وہ سختی وقت دیو کی صحبت
عورت سے ہو کوئی اسکی آگاہ تجویز کی وہ سر بسر کی زادہ
کو کا آئی تھا شہزادے کا تو وہ سیر چمن وہ پھول لینا
دیکھا تو کہا مری نظر تھی وہ گور سے حق میں خضر ہونا
لیجیو وہی گفتگو وہی اور وہ پال کو گل کا دکھانا
سر پاؤں پہ رکھ کے چلا بیٹھ سکوت زیست کشش لگا رہیں

فرزند کو چھاتی سے لگایا
پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی
پا بوسی شہ کی تھیں طلبگار
اٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
اک ایک اٹھا اُدھر کو آیا
بیٹھے رہے فرش تک پہ داعی
پھر دے کے تپاک انکو ساتھ لایا
تو کہیو یہ چاروں داعی اٹھواؤ
سے لیکے وہ حضور شہ بلایا
قربان گئی نہ آنکھوں کی دیس
داعی بلوے تھیں کھلا ہم آبنار
یکبار کی تباہ ہو گیا و تک
دیکھا تاج الملوک سے رخ
پایا نام پہ حرف والے لکھیں پر
وہ کھات وہ جیتنا نامی
وہ بیکسی اور وہ دشت گردی
وہ حلوے کی کسی چاٹ اور وہ فکر
شکو وہ کی وہ آہ بیت
اور موش و داستیاں وہ بیخواہ
وہ مغرم وطن وہ داغ دنیا
وہ شعلوں سے گل سے پھول کھلا
[illegible] سے پہ وہ [illegible] آیا
وہ دستور پیا و شہر وہ ملکیں۔

گزرا تھا جو کچھ بیاں کیا سب — پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
انگشتری چور کی دکھا کر — کھلوائی سرین کی مہر خنجر
پہلے تو بہت وہ منہ چڑھے تھے — آخر داغی دکھا کے پیٹھے
اُٹھوا کے انھیں وہ دوش آئیں — پابوسی شہ کو سر سے آئیں
حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت — دونوں کو دیے خطاب و خلعت
نذریں اُن دونوں نے دکھائیں — رخصت ہو کر محل میں آئیں
مسند سے شہ اُٹھ کے لیے تجا با — بولا بیٹے سے جان بابا
روشن کیا دیدۂ پدر کو — مادر کے بھی چل کے آنسو پونچھو
مشتاق کو سر و براہ پایا — بیمار غم سے تا بخانہ لایا
ماں نے دیکھا جو وہ دلاور — آنسوں سے بھی گر کے نچھاور
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر — مانند سرشک چشم مادر
ہر خویش و یگانہ سے ملا وہ — پھر اپنی جگہ پہ آ گیا وہ

نائب ہونا فرخ یعنی بکاؤلی کا اور بلوانا تاج الملوک کو
گلشن نگار ریت سے اور شفق ہو کر نگار ارادہ میں سنانا

کھلنے پہ جو سب طلسم تقدیر کر — اب آنکھ سے لے لیا ہو کر
فرخ وہ پادشہ کا دستور — اپنی وہ بکاؤلی [illegible]
مطلوب کا سن سمجھ کے سب حال — [illegible]
سوچی کہ دلا شتاب کیا سب — [illegible]
اُس شمع کی پاس گرمی وہ — [illegible]
فرخ سے جب آدمی تھی — پھر وہ پری بکاؤلی پری تھی
غربت سے چلی وطن میں آئی — خوش ہو کے ولی چمن میں آئی
پھر وہ جو اصولوں میں پڑی تھی نشاں — دل سے جو ہوئی کہ کوئی [illegible]
اُس سے پہلے میں اک سمن پری تھی — [illegible] بکاؤلی [illegible]

دل کو کیا کیا کہا خوب — سب لیے کچھ کر کے پھر بھی آئی کیا خوب

مانگا کاغذ دوات خامہ — لکھا پیچیں سے کے نامہ

اے یوسف چشم زخم یعقوب — اے رشک برادران آشوب

اے دلبر دلستان غلبانہ — اے دیو سوار عرش پروانہ

اے آب تہ زمین نیرنگ — اے نقب دواں بارخ گلرنگ

اے پردہ کشا سے بے حجابی — اے دزد حنا سے دستیابی

اے زہرہ رخ برج نہادہ — اے صرصر گل ہوا دوادہ

اے سبزہ سرو برگ گلشن آرا — اے لعل نما سے سنگ خارا

اے بے خبر طلسم صورت — اے سبز لبہر رخ ضرورت

اے باغ عشق عزم سبزہ بانی — اے صاحب بزم مہربانی

اے آئینہ دار خود نمائی — اے سرمہ چشم آشنائی

اے پردہ کشائے رشتۂ پنہاں — اے داغ نما سے پشت اخوال

دیا تیغ ادھر سے لے گیا گل — تو تجھ سی پری کو دیکھا بلبل

لے رخ ترے واسطے ہوئی ہیں — فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں

مجھ کو ترے باپ سے رلایا — تجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا

جو جو ادھر سے کچھ نہانی — سب تجھ سے سنیں تری زبانی

پیا لطف جو عیب پردہ کو بولے — جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

پایا تجھ کو دل سر سے پامال — کر شکر تجھ کو خوش اقبال

پایا تجھ کو صورت اور بخت کھی — وقت اور ضرورت اور بخت کھی

تجھ سے ہیں وہ بھا رہی کے جاتی ہیں — چاہ سر کے سب [illegible] ہیں

اے آنکھ تو در گزر کر دل کی — ورنہ ہیں بہت سا شکر دل کی

داغوں پہ جو سینے میں داغ تو نے — دکھلا سینے میں باغ تو نے

کو نشو میں اگر نہ اچھا — لکھوا لکھا بہت اچھا

خط کی نہ ہوا امید واری / القصہ ہے قلم کی دوستداری
لکھ کے کہا سمن پری کو / چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا / پورب کی سمت کو چلی جا
رستے میں ہے گلشن نگاریں / رہتا ہے وہیں مراد گلچیں
خاتم کے نشاں سے نامہ دیکھو / ٹھہری رہیو جواب لیجو
خط خاتم لے کے وہ ہوا پری / پتا ہوئی اور رستے پہ آئی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں / ثابت ہوا گلشن نگاریں
وہ آدم حور وش پری رو / یعنی تاج الملوک خوشخو
گلگشت میں تھا کسی روش پر / محمود وہ دائیں بائیں دلبر
قاصد نے جو رخ پری دکھایا / دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا
پہچانتے ہی نگین خاتم / بے ہوش ہوا یقین کا عالم
جنبش تو وہ یوں چلا تڑپ کے / انگارے پہ جیسے کباب لپکے
دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا / قاصد نے دیا وہ خط پری کا
گو سرمہ خموشی نے کھلایا / تحریر کو آنکھوں سے لگایا
قاصد سے کلام لطف بولا / خط صورت چشم شوق کھولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا / قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری / کچھ یاس تھی کچھ امیدواری
منگوا کے وہیں دوات و خامہ / تحریر کیا جواب نامہ
اے شاہ ارم کی دخت گلفام / فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نام کے اس لقب کے صدقے / اس نامے کے اس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا / تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا
میری ہی جو بدی ہوئی تھی پھر یوں / تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
تو جا کے تو کیوں نہ آئے افسوس / افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو
اُمید گئی گئی نہیں تو

اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
جی کھول کے داغ دل دکھاتا

معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا

اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے

مر جاؤں اگر طلب میں تیری
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری

قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
یاں بھی جو رہا تو نیمجاں ہوں

تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو بستر شعلہ میں رگ شمع

تو برق دماں میں خرمن خار
تو سیل رواں میں خستہ دیوار

تو جوشش یم میں مور بے پر
میں نقش قدم تو باد صرصر

دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا
مر جاؤں گا اب میں کب جیونگا

ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
انسان کی ہے مرگ زندگانی

منظور جو ہو حیات میری
تو مان لے ایک بات میری

حمالہ کو بھیج آ کے لیجائے
شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے

بھیجا نہ اُسے تو جان لینا
آسان ہے یہاں بھی جان دینا

یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا
قاصد نے لیا جواب لایا

مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی

پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے
گلچیں سرا کو لٹا کدھر ہے

وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں
بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں

یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا
بولی کہ تجھے لگا دوں لوکا

تیرا ہی تو ہے فساد مردار
داماد کو گل دیا تجھے خار

گل نقب کی راہ لے گیا چور
زندہ کروں اس موئی کو درگور

حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں
داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں

آگاہ جو دیو کی سنے پائی
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

مجھ سے وہ ہے کنیز زادی — انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی
میرا تو نہیں قصور ہے کچھ — شاید اسیکا قصور ہے کچھ
مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی — کہہ کے اُٹھی چلی ہوائی
آئی تو یہ زار پیچاں تھا — آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا
حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو — پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
بولی وہ بنے بگاڑ کیا ہے — چل دیکھ تو پھر پچھاڑ کیا ہے
کچھ بول کے زیر لب وہ دل زار — ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار
لرزا سا چڑھا جو دیو نی پر — مانند حواس اُڑ گئی وہ مضطر
اس سمت سے پہنچی یہ عقیلہ — واں آئی پری کی ماں جمیلہ
شکوہ کرنے لگی پری سے — یوں کہنے لگی بکاولی سے
گلزار کی سیر کو تو سب بھائی — کچھ ہوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
کس طرح گلوں کی ہے تو شیدا — کچھ ہیں نہ ہوا ہے کوئی پیدا
کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور — رخ میری طرف نظر کہیں اور
مادر کے کلام سن کے خستہ — بولی کہ چمن تو ہے ہرا بھر
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا — پھر رخ کسکو ہے منظور نظر کیا
تقریر جو لے بیٹھی کی — وہ سادہ دل آکے سر کو آئی
جب آ گئی یہ تو دیو نی وہ — حاضر ہوئی لے کے آدمی وہ
آیا تو وہ مشتکر تھی خونخوار — اندیشے سے کانپ اُٹھا گنہگار
واں غصہ بھری غضب دیو زن — پلکوں سے یہاں نظر ہے چلمن
واں شعلۂ خشم گرم تغییر — یاں قطرۂ اشک تر گلو گیر
واں بیٹھنے کو بلا دیا سو — یاں تاب سخن نہیں ہے اس کو
بولی وہ پری بصد تامل — کیوں تو نے لیے مجھے دو گل
کیا کہتی ہوں ہاں ادھر تو دیکھو — میری طرف اک نظر تو دیکھو

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
توبہ کا تو در نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم

اے شمع نہ سوچ کر بد و نیک
رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہو کہ ہم ہیں
تو دام بلا میں ہو کہ ہم ہیں

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا

مانا مری حالت ابتری ہے
بہتر ہے وہی جو بخت بدی ہو

بلبل اسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجے
سایہ ہو تو دور دھوپ کیجے

کچھ روگ جو در پئے خلش ہو
درماں کے لیے دوا ودش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

آخر تو جی سے اپنے ہو تنگ
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ

یاد آئیں جو ابروان خمدار
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

گر یاد کہیں چہ ذقن کو
کودے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

دیوانے کی مطلق العنانی
ہے باعث مرگ نا گہانی

تدبیر کا جو صلہ نکالا
زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
پابوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیر ہے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاؤلی غضب تھی
زنجیروں میں بھی وہ ہند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری — پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہو — بیتابی دل جہاں جہاں ہو
زنجیر جنوں سے کڑی نہ پڑ لو — دیوانے کا پاؤں درمیاں ہو
ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ — قائم جو زمین و آسماں ہو
جو داغ کہ مہر سے فلک پر — ملیں مرے اب تلک نہاں ہو
کہیں سوچ میں ہو نسیم لو لو — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہو

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہر گہر طلسم اخلاص — ہو بحر سخن میں خامہ غواص
وہ قطرۂ بارش سحاب الٰہی — وہ غنچۂ بحر آشنائی
وہ بادشہ حباب افسر — یعنی تاج الملوک مضطر
بے مہری چرخ سے جو ناگاہ — گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ
جو ماہ سپہر برتری تھا — سو ماہی بحر ابتری تھا
بادل سا وہ بحر آسماں جوش — بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں — طوفان طلسم جوش افسوں
گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا — ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
موجوں سے عوض کشتی بچیں داماں — گرداب کے بدلے تھا گریباں
آگے جو بڑھا تو سبزہ دیکھا — اشجار پھل کا ذخیرہ دیکھا
جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور — ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل — ہو یاں کے درخت کا ہی پھل
اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام — ڈوبا خورشید ہو گئی شام
ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا — اک نخل کے زیر چپکے ہو کے بیٹھا
ناگاہ سنی صدا پر خوف — آیا اک اژدہا لپیٹے طوف
صورت میں پہاڑ کی نشانی — سیرت میں بلا سے ناگہانی

منھ کھول کے سانپ اک نکالا
لہرا لہرا کے اُڑنے جاتی
جب صبح ہوئی تو منھ میں ڈالا
وہ جا کے افق میں سمٹ کر چمکا
سوچا وہ کہ لیجئے میں کسی طور
کچھ گائیں کلیلیں کر رہی تھیں
دودھ اُنکا وہ پا پیا کہا لو
نکلا جو پھر آکے شب کو اژدر
گویا پھنکار کے دب گیا میں
جیسے روشنی اندھیرے ہو گئے وہ
من لے کے جو اُسنے مہرہ مارا
وہ مرغ بیٹھے بیٹھے اک شجر پر
میں سحر پہ کہ چکی جہاں کا
ماروتے پہ سن کے بول اٹھا نر
وہ پنچھی جو صف پہ لگا تھا
اک سانپ ہے وہاں پہ چوٹ کرتا
لیکن ہے یہ بندہ خدا جائے
لیکے گا خود اسکو دیکھ کر سامنے
اُترے گا لگا کے جب یہ منتر سا
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
سب خشک ہے ایک ہری ڈال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھر توڑ کے اسکے سبز پھل کو

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
جن میں کالوں نے رات کالی
کالے نے میں اژدہے نے کالا
میں اپنی شب کے منھ سے نکالا
دشمن کا تھا سامنا کیا غور
بن میں ہری دوب چر رہی تھیں
گویا کہ انھیں سے چھوٹ پھینکو
گلشن سے دھواں دھوئیں سے اخگر
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
شب کاٹ کے صبح دم سدھارا
ماہ وہ لگی تو چھینے آکر اودر
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
دار پی تے خواہش میں سوا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
تا جس قدم قدم چلا جائے
منھ چادر آپ میں یہ سلگے ڈھانپ
بنجائے گا آدمی سے طوطا
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال
انسان کا رنگ روپ پائے
پھل کچھ اُسے دے کے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتے کی صفت بیان کیا ہو
منہ میں رہے گوند آسکا جبتک
تھا طلسم عجیب مرغ گویا
کاسے نے جہاں پتے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پہ آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پر آب وتاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اٹھایا
دکھلائی لگی بڑے دنوں سے تشات
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی گرہ اسکے سب لے قید
جب جن کے نہانے کا دن آیا

ہشیار نہ اُس سے کارگر ہو
بنتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں بھسم کرے جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
چل کھا کے بشر کا روپ پا کر
اُس پیڑ سے لے گئے راہ گیری
حیراں ہوا صورت عصا فقیر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پینے سے وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض دو آب سب بچھا پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
شہزادہ تو کم خزانہ باقی
چھاتی پہ دھرا اُچھوں سے پتھر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی سے نئے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردم دیدۂ ظلمات
اک دیو کی مردہ دل سی مبہوت
زنبور سیاہ خال اُس کے
گٹھا لیے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا کریہہ منظر
گٹھا وہ دیا کہ پیچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
کھویا ہوا ملک ہاتھ آیا
خورشید مرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
نادان ہنر جو آبرو کو کھووے
یہ کہکر کنارے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ کہ وہ انسان نو
ڈالی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو سب کے لمو پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
روشن ہوا وہ رنگ و روغن
حال رخ و رنگ رو مساوات
پستان سے قد اسکا نخل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُس کے
جلتی تھی سموم کا سا جھونکا
سر وہ رو سیہ اُسکو سمجھی شوہر
کچھ نہیں دیر چلیے آ جا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
لٹکا ہوا پھینک پھانک پہ جنگل
پھر آب تھا چشمہ منتظر سا
آیا وہ پری رنگ روپ سارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
زنگ آئینۂ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھوئے
گھونٹوں پہ ہوا کے باندھی گانٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
ترسائی میں پردہ حال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لب حوض اک پری تھی ‏ فوارے کی طرح رو رہی تھی

پر جوش و خروش اُسنے چھپایا ‏ رنجور ترس سے تاج سر اٹھایا

دیکھا جو پری سے آدمی زاد ‏ آہستہ کہا کہ خانہ برباد

رستہ ترا کو گیا کہاں سے ‏ کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے

بولا وہ بشر کہ دیو کیسا ‏ ہمسے تو ملا نہ کوئی ایسا

بولی وہ پری کہ جا کہا مان ‏ سر پہ ہیں ترے قضا کے سامان

بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے ‏ تم اپنی کہو تمہاری کیا ہے

کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو ‏ کیا رنج ہے کس فساد میں ہو

بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں ‏ اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں

فردوس کا بادشہ مظفر ‏ روح افزا جسکی ہوں میں دختر

سردار گروہ دیوؤں کا ہے ‏ سلطان ارم مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو ‏ ماندی تھی بکاؤلی خبر کو

رستے سے یہ دیو پھانس لایا ‏ اب تک تو خدا سے ہے بچایا

نام اُس سے بکاؤلی کا سنکر ‏ رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر

پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد ‏ تو کیوں رویا کہا کہ فریاد

واں خرمن عیش پر پڑی برق ‏ یاں بحر فسوں میں میں ہوا غرق

ڈال پھانسی جسکی ہے اسکو غم کی ‏ یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی

بولی وہ کہ تجھ سے اگر ہم ‏ رکھتی ہیں ترے زخم دل پہ مرہم

بولا وہ کہ چل کہا کہ نادان ‏ وہ دیو کہاں کہاں تو انسان

دیوؤں سے کبھی لڑ سکا ہے کوئی ‏ سایے کو پکڑ سکا ہے کوئی

بولا وہ کہ تم بتا نہ جانی ‏ دیو آگ تو آدمی ہے پانی

ہر چند کہ آتش جہاں ہے ہے آگ ‏ دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ

بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد ‏ وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی

بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے

پڑھ کر کے جتا گئے جو ہر اپنے
سامان دکھا گئے یکسر اپنے

ٹوپی جو اتار لی ٹھگ نے سر سے
پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے

لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا پھر جا کر
ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر

یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
اڑ چلنے کے پائے پھر قرینے

تشکیل جو ہوئی پری کے حق کو
وہ آدمی سے لے اڑا پری کو

وہ دیو پری کو اڑ کے پا کر
اچکا تو بلا ہوا پھر جا کر

شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
چادر سی پری کے سر پہ رکھ دی

بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن
بجلی سا عیاں ہوا پھر پُر فن

وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا

شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
بادل سا ہوا اکا مستعد ہم تھا

دیکھا جو غضب دیو نے گزارا
پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا

وہ سنگ گراں حسد بغول
تاثیر سے پھل کی بن گیا پھول

لٹھ اس کا پڑا تو وہ ہوا چور
جس طرح عصا سے جام بلور

غل کر کے زمیں پہ گرا دیو
ہر چند ہوئے شرار پا دیو

بادل کی طرح جو آڑے دشمن
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن

موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اس کا
ایک ہی لاٹھی نے سب کو ہانکا

شق سر گیا کوہ پیکروں کا
جی چھوٹ گیا دلاوروں کا

ٹوپی کو اتار کر پری نے
پیچھے سے قدم خوشی پری نے

شہزادے کے تاج سر پہ رکھا
لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا

فردوس میں جا کے صورت حور
ماں باپ سے آ ملی وہ مہجور

دیووں کی وہ سرکشی سنائی
انساں کی وہ مردمی جتائی

سُن سُنکے اُڑے حواس اُنکے　　لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہم　　پوچھا کہ کہاں کہا یہاں سے
یہ سُنتے ہی اُسنے تاج اُٹھایا　　خیر اُنکو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے　　ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی　　عریانی قبا سے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا بروگی　　کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
خُتن آرا اُس پری کی مادر　　باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پر گر کے کہا ادب سے　　خدمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا خدا کرو واہ　　ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے　　آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان　　تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کھولو کمر آؤ لطف فرماؤ　　شربت پیو میوہ ہاے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے　　کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیاح کو کیا قیام سے کار　　شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر　　آبِ دریا بہے تو بہتر
روح افزا بول اُٹھی اجی واہ　　ہم جانے نہ دینگے تمکو واللہ
آرام کرو کرم کرو آؤ　　ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ
مجھ سے الگ مکان میں لائی　　آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے　　ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سلطان　　دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا　　بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں سے جو ملنے کا بیاں ہے　　یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا
مژدہ شہِ ارم تک آیا

جانا تھا یگانگی میں لازم
ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم

وہ ساکنِ خانۂ سلاسل
یعنی وہ بکاؤلی بیدل

کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی
خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی

سن کے قیدی کے زار نالے
زنجیر کے پیچ سے نکالے

تخت ان کی سواریوں کے آئے
اڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے

بانوئے ارم سے شہ جمیلہ
دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ

روح افزا سے ہوئی بغلگیر
صورت پوچھی کہا کہ تقدیر

کہہ سن کے مبارک و سلامت
بیٹھ اٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا نے کہا کہ اچھی جان
تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان

خاطر سے کہا کہ خیر لیکن
لیجاؤ انہیں خود میں ساتویں دن

یہ کہہ کے وہ دختِ محتشم
آہو سی ارم کو کر گئی رم

روح افزا نے کہا بہن سے
بہتر نہیں کوئی جا چمن سے

گلگشت کریں چلو کہا خیر
کیا جانئے کہ ہوگی سیر میں سیر

چل کر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا
کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا

روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
میں نے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر

واللہ کہ چھان کر خدائی
تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی

سمجھی وہ ہنسی کہا شرارت ہو
نادان ہو کیا کہوں بہن ہو

ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا
پیارا ہووے گا وہ تمہارا

پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں
بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں

بولی وہ کہ آشنا تمہارا
پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا

گر اسکی تلاش میں ہیں کھوئی
بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی

جو چاہو کہو جواب کیا دوں
قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

وہ جوگی وہ دھونی اور وہ آسن
دکھلایا تو تھی اُسی کی جوگن

دیکھا تو دکھا رہی ہے تقدیر
کوشش کا اثر کشش کی تاثیر

روح افزا سے کہہ چکی یہ وہاں
قالب تھی میان جان و جاناں

دونوں کا بدل تھا وصل منظور
مانند حجاب ہو گئی دور

وہ غیرت تیغ ظلم و بیداد
ادبار رویا ستا کے افتاد

خاطر کی کدورتیں عیاں کیں
چشموں کی وہ صورتیں نہاں کیں

رو رو کے لگی وہ بولی دل افگار
بولی کہ خدا کو علم ہے یار

پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے
دیدے ہیں مرے نقش پا سے تیرے

مشکل سے تجھے اپنا تھا منانا
ہر وقت قضا کا سامنا تھا

تا چشم پھرے تجھے فشاں مژگاں
ہمسایہ تجھے سب کشیدہ داماں

گھر میں رہنا گراں تھا میرا
زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا

جو کہہ کے سر لٹ پکارتا تھا
پتھر سا کھینچ مارتا تھا

سختی سہی پا گڑی اٹھالی
افتاد تھی جو پڑی اٹھالی

طالع سے ہوئی تھی اُس کی امید
نکلا ہے گرہن سے آج خورشید

کہہ کر یہ منہ پہ شفق خوشی سے پھولی
کیا شام وصال رات بھولی

پھر کہہ کے ملے بہم وہ ایسے
تشبیہ خط توأمان کے جیسے

اک جان دو تن سے سرو بالا
نسبت کا مزا ہوا دوبالا

دربان سی تھی در پہ روح افزا
تھا پیش نظر جیسا کا پردا

جب بیٹھے وہ حسن بے مثال سے وہ
وارفتہ ہوئی و دیکھ جمال سے وہ

بول اُٹھی لگا کے بولی کہ واری
تسلیم کا ہے کام پردہ داری

وہ بولی مجھے تو پھر شرمایا
کیا اب تو نے سکھایا

کیا جانیں ابھی بلا سے کیا کیا
اُس گھر میں سکھانا ہے کیا کیا

یار سے وہ ہم دو چند با خلوت
باہم رہی انیس و ہمدم

بخشے ہفتے کی مہمانی
ہر ہفتہ عروس شادمانی

وعدے کا جب آیا ساتواں دن
آئی کہ تو تھا حیلۂ غم سخن

ساتھ اسکے رواں ہوئی وہ گلرو
ہوش آ سکے ہوا ہوئے سے تو

چاہا کہ وہ تاج رکھ کے سر پر
[illegible] ہوش سا کہہ چلاکر

دامن کو پکڑ کے روح افزا
بولی کہ کدھر کیا ارادہ

الفت کے بہت نہ جوش میں آؤ
کچھ خیر ہے کہ ہوش میں آؤ

ناحق سے خوار ہو چکے ہو
اب تو سیکھو کہ [illegible]

کار شاہ خود نہ سمجھے
انکار سے کو [illegible]

جلدی تمہیں کیا ضرور دم لو
[illegible]

گھبرا کے نہ پاسکے نامرادی
کیا کرو جو چاہتے ہو شادی

سوچا تو نہ تھا صلاح اچھا
دانائی کی تھی بات کا سمجھنا

پیغام بھیجنا حسن آرا کا بکاؤلی کی شادی کے واسطے

بدلی کے جگہ جو جی میں پائی
بولی فاختہ نے کی زباں کشائی

وہ شکر گزار روح افزا
ہاں سے بولی کہ حسن آرا

واجب ہے ادا سے حق مہماں
احساں کا عوض نہیں جز احساں

حسن آرا نے کہا کہ بہتر
جز اس سے ہو [illegible]

بولی وہ کہ یہ [illegible]
ہے عشق بکاؤلی کا روگی

ہیں ایک سبب [illegible]
[illegible]

راز اُن کا کیا جو آشکارا
[illegible]

بلوا کے مصور ایک گوہر سال
کھنچوائی اس آدمی کی تمثال

وہ صورت حال ارم میں لائی
خلوت میں [illegible] پاس آئی

[illegible]
[illegible]

واجب نہیں اب تامل اُن میں
[illegible]

بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں / تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
سودا ہے مری بکاؤلی کو / ہے چاؤ بشر کی بو کو
مشہور ہے ضدّ انس و جانی / یک جا نہیں رہتے آگ پانی
حسن آرا نے کہا جمیلہ / مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
کاوش تری بے ثبات ہے یہ / سو بات کی ایک بات ہے یہ
وہ دل جو ہوں جانے پہ راضی / یہ جان سے کیا کرے گا قاضی
بولی وہ جمیلہ ہوش میں آؤ / جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
تجھ پر کی آپ سے گئے ہیں قرباں / لے جاؤ سے مری پری کو انساں
حسن آرا نے کہا کہ خاموش / منظور کو کیا ہے کیجئے غش
اسباب نہ جمع کر ضرر کے / رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے
بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا / وہ بولی نہ تھی کہتی ہوں کیا
جب دل ہی پری کا آ گیا ہے / انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
انسان ہی سے کہ حضرت سلیماں / انسان ہی سے کھلے مسیح و
یہ قطرۂ بحر کبریائی / دریا ہے جو ہو سے آشنائی
کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے / افسوس جو آدمی نہ سمجھے
دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کے / پھندے میں پھنسا ہے پنچھی ڈیں

بیاہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک سے

شادی کے لیے ہے کلک شہرت / انگشت قبول و وعدہ حیرت
حسن آرا تھی جو نیک تدبیر / دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر
پہچان سکے خال و خط سے انداز / وہ چھپ جو رہی تو ہے سخن ساز
بولی کہو کیوں کہا کہ جانا / پر کھو سکے ہو رہے گا کیا ٹھکانا
وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے کہنا / پہنے تو تجھ سے کیا ہے
ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات / فیروز شہ آ کے چھیڑے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
پایا اُسنے کیا بکاؤلی کو
تصویر بشر دکھائی اُسنے
دیکھا تو نہ فرق تھا سرِ مو
نقشے سے وہی نگار پایا
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
پیارے سے نہو خلاف وعدہ
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
روح افزا کا جو آ گیا دھیاں
جانا کہ بہار فصل سے ہے
پایا قرار میں تھی جو بیچاری
حسن آرا نے کہا مبارک
از بسکہ رنج یہ بنی ادھر بنا کے
ستارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
واں مہندی سے جوڑے پا ہو خورشید
وہ وال پہ گلاب سے نہائی
واں غازے سے رخ شفق میں خورشید
افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
واں مانگ سے رنگ کہکشاں مانند
واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
آنچل ہو واں نقاب عارض

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُس نے
جا پہنچے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سا آگے آیا
شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی سجائی مسکرائی
ایجاب اُس نے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو خوش خبر سنائی
دن گننے لگی خوشی سے بارے
یاں سبزہ ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منہ پہ رنگ امید
یاں جیتے سے روشنی دوچنداں
یاں سلسلہ سہرے ہالے میں چاند
طرّہ کلغی یہ یاں تھا سر پیچ
سہرا ہوا یاں خضاب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا — یاں جامہ وفا کا اسنے پہنا
محرم کے سے گئے اُدھر بند — ہمت کا بندھا ادھر کمر بند
واں گل سے بہار بوستاں تھی — آرائش تخت گل یہاں تھی
الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش — یاں چرخی سے چرخ ہیں سر عرش
واں جلوے حنائی انگلیوں کے — یاں روشنی کے تھے تختہ شالے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے — یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے
واں پریوں میں ذکر آدمی زاد — نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد
گلگوں تھا کسی کا باد رفتار — گلرنگ کسی کا تھا ہوا دار
ہاتھی تھے تو مستیوں کی وحشت تھی — گھوڑے تھے تو دلبری کی لت تھی
وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز — تھا پا بہ رکاب شوق مہمیز
درتک جو برات ادھر سے آئی — کی سب نے ادھر سے پیشوائی
فیروز مظفر ایسے دو شاہ — پُرنور تھے جیسے مہر اور ماہ
باران گلاب و بارش گل — ہوکر جو ملے آگئے رنگ گل
سلطان فیروز رشک جم تھا — نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
جھڑ پالے بٹنے کا شور و غل تھا — سنبل کا جو نور تو سہرا گل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ لایا — اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا
خورشید سا آفتابہ لائے — منہ ہاتھ ہر ایک کے دُھلائے
قلیاں پیے مشکبو دھواں دھار — جوڑے تھے جو پاس ان کے ہزار
جب عقد کی اسکے ساعت آئی — دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
یکجا کیے وہ عروس و داماد — وہ جان پری یہ آدمی زاد
حیرت سے نہ آئینہ دکھایا — شربت دیدار نے پلایا
زلفیں ہوئیں چہرے کی بلائیں — ٹھٹکا وہ [illegible]

جو چہرہ آتشیں پہ تل تھا — اسپند نگاہ بد بدل تھا
جوڑی جو ملی بنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گانیں تھیں شہانے گائیں — لیتے ہوئے نیگ راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولہا دلہن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار ہا بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں — دروازوں نے بند کیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا طے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دلہن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دختِ رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشکِ جام سرشار — لبریز ہوئی شراب دیدار
گردن تھی صراحیِ مئے ناب — ہاتھ آئی وہ بہرِ مستیِ خواب
جب اوڑھی عروس مہر نے چادر — نکلا پردے سے شاہ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی دولہا دلہن سحرگاہ — نکلے آرائگہ سے دلخواہ
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا — محظوظ دولہا دلہن کو چھوڑا
وہ حوض گلاب میں نہایا — یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
واں جوڑا جیسے تنگ بدلا — یاں جوڑے کے منہ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھڑتی تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جو اب سوئے وطن ہو — گلگشت دو روز یاں پہ جنت نشاں ہو
شادی ہو کر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا میں خانہ داماد
غربت میں وطن کی دھن سمائی — اس گل کو یاد ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے | تو شعلہ کی سوے آسماں ہے

عزم سفر وطن سمجھ کر | بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر

چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر | رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر

ہاتھ اسکا پکڑ کے باہر آئی | ماں باپ کے پاس دختر آئی

ہوتے ہی دو چار خویش و دختر | دو سے ہوئے چار اس جگہ پر

وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد | جو تھا ان میں یہ آدمی زاد

چومی اُسنے زمین خدمت | غربت سے وطن کی چاہی رخصت

فیروز شہ و جمیلہ بانو | دونوں ہوئے سنکے سر بہ زانو

غوطے میں جو آگئے وہ یکسر | بولی ماں باپ سے وہ دختر

پرویوں سے جو کی ہے نسبت | اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت

دعوے نہیں کچھ دیے ہوئے پر | قائم رہیے کیے ہوئے پر

لازم جو ہے اسمیں کہ نہ کیجے | سائل کا سوال رد نہ کیجے

بولے وہ کہ بخت تھا زبردست | خورشید کو ذرے نے کیا پست

انساں سے جھکی پری کی گردن | کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن

یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار | تنو دیو بلائے باد رفتار

ہو کر دیوؤں کے زینت دوش | رخصت وہ اُدھر ہوئے ادھر ہوش

اشکوں سے شگون لیا نرالا | آئینہ رخ پہ پانی ڈالا

سونپا مختار کو جو مجبور | گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور

آئے پر تو وہ باغ سحر بنیاد | تھا آب و ہواے خوش سے آباد

خیل و خدم اسکے منتظر تھے | مانند حواس منتشر تھے

پہچان کے اسپ نے غل مچایا | آیا تاج الملوک آیا

داخل جو ہوئے محل کے اندر | محمودہ لپکی دوڑی دلبر

پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو | دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے | محمودہ دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر | بولی کہ یہ گھر ہوا منور
محمودہ نے کہا مبارک | خشنودی آشنا مبارک
اُن مختصروں نے جب دیا طول | بولی وہ بکاؤلی کہ معقول
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار | خوش پوش ہوا ایک جوڑے دو چار
در بے در بے رہیں وہ ذی ہوش | ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاؤلی کا راجا اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج | اب یوں ہے رقم خامہ ہرزہ سنج
از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز | ہے خرمن عیش پر شرر ریز
یک چند وہ سہ کشی کا ہشو نہیں | گذری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مراد پائی | راجہ اندر کو یاد آئی
اندراسن آمر نگر ہے شہر ایک | خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا | آسن ہے تخت گاہ اسکا
مضمون وہ قضا سے اسقدر ہے | اُس بستی کا نام امر نگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں | روحانیوں کا نشیمن اسمیں
کہتے ہیں مور خان ہندی | آباد ہوا ہے سے وہ بستی
راجا کہ کمال پارسا ہے | مقبول جناب کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اسکو | نغمے سے ہے ذوق شوق اسکو
انساں کا سرود و رقص کیا ہے | پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
باری باری سے جو پری ہے | راجہ اندر کی مجرئی ہے
لیکن جو بکاؤلی دل افگار | باری پہ پہونچ سکی نہ بیکار
اک شب راجہ تھا محفل آرا | یاد آئی بکاؤلی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے | شہزادی بکاؤلی کدھر ہے

منہ پھیر کے ایک مسکرائی
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی

چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک

بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سب کیا
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا

ناتا پریوں سے اُس نے توڑا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا

وہ سُن کے خفا ہوا کہا جاؤ
جس طرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ

پریاں اُڑیں اوپر اوپر آئیں
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں

دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب

ہمبستر آدمی پری تھی
مہ لے کے بغل میں چاندنی تھی

غافل جو اُنھوں کو اُس نے پایا
اُس نقش مراد کو جگایا

جاگی تو سب اُس کے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے

اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانند رنگ جوڑا

ساتھ اُسکے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مقابل آئی

راجہ نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بے حیائی کب سے

بو آتی ہے آدمی کی اسے لے جاؤ
ناپاک ہے آگ اُسے دکھا لاؤ

شعلہ سا پری کا جسم کانپا
منہ دامن اشک تر سے ڈھانپا

پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتشکدے میں ڈالا

کافور سی جل اُٹھی سراپا
ٹھنڈک ہی ہوئی تھا جنھیں جلاپا

جو آتش گل نہ سلے چمن سے
جھونکا اسے آگ میں جلن سے

جس رخ پہ تھی گلگلی معنبر
تھا چشم زدن میں دود اخگر

جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک

جیسے نفس ایک خنجر آئی
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی

شعلے سے زیادہ پاک داماں
آ کر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غرض ناچار — اغیار ادا سے کر لیے یار
برخاست کا وقت جب ہوا تھا — راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
بولا جا یوں ہی آئیو روز — جل بجھ کے سدا سنائیو سوز
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی — پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پشواز کنارے جوں اُتاری — شب کی پوشاک پہنی ساری
بیتاب آراگہ تک آئی — ہمخواب شہی کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آ کے سوئی بیتاب — جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
وہ آہوئے مست خواب خرگوش — یعنی تاج الملوک بیہوش
اُس شب کو بغل میں آ کے جاگا — پر دوسری شب وہ جل کے جاگا
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے — پہلو میں جگر کے دم نہیں ہے
حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر — جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
دائیں دیکھا نظر نہ آئی — بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
عورت تھی گماں بد سے کھٹکا — جانا کہیں دل کسی سے اٹکا
اٹھ در نظر آیا در کا سایہ — سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا — پل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا تو پری بغل میں پائی — وہ نقش وفا عمل میں آئی
دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب — گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب مہر فلک گیا لب بام — مہتابی پہ آیا وہ سر شام
معمول سے بزم میں ہوئے جمع — مینا و کباب و مجمر و شمع
جام اُسنے بھرا کہا پیا لے — دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار — دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور — میں آج نہ ہونگا شامل دور
ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا — شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر
چبھنے لگے اسکے انگلیوں پر

بیداری شب کی گھات پائی
ظلمت سر دست ہاتھ آئی

کف میں نمکیں کباب لے کر
چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر

بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب
بیدار رہا تو آخر شب

پریوں نے ہوا سے تخت اُتارا
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا

سوتا اسے جان کر اُٹھی وہ
پوشاک بدلنے کو گئی وہ

اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
پوشیدہ ہوا برنگ سایہ

بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
ذرّہ ہوا ہمرکاب خورشید

جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
پہونچی اُس بزم میں سماں پر

لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
پرصوت و صدا وہ دائرہ تھا

ٹھیکے پہ پہونچ کے تخت ٹھہرا
مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا

آتشکدہ پریوں نے بنا کر
پھینکا اُسے پھول سا اُٹھا کر

شہزادہ کہ زیر تخت زرکار
تھا پہلوے گل میں صورت خار

فریاد نہ کر سکے پایا مضطر
تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر

راجہ جس رُخ تھا محفل آرا
دل لیتی ہوئی چلی دل آرا

ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ

محفل میں جو آئی شمع محفل
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل

جوگانی تھیں بیٹھی مثل آواز
مجرے کو اُٹھی وہ صورت ناز

وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی

رقص اُسکا اگرچہ خوشنما تھا
سنگت کا پکھاوجی تھکا تھا

شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں
لیں طبلہ نواز کی بلائیں

آہستہ کہا کہو تو آ دل
فرماؤ تو سند کی بجاؤں

اُسنے جو پکھاوج اسکو دیدی
کیفیت اتفاق نے دی

تھا سحر پہ یہ اُس پری کا نقشا　　سب آنکھ بچا کے کہتے تھے آ
محفوظ کیا جو سب کو اکبار　　بخشا راجہ نے نو لکھا ہار
انداز سے اُس نے لیکے مالا　　کاندھے پہ بکاؤلی کے ڈالا
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار　　برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار
لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور　　چھپا ہوا زیر تخت اسی طور
بادِ سحری چلی جو سن سے　　وہ شمع سدھاری انجمن سے
خورشید سے پہلے اوڑ کر آئی　　تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ حوض کے رخ چلی اُتر کر　　پہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
وہ آئی تو غافل اسکو پایا　　آغوش میں آ گلے لگایا
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش　　خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
اُس غنچہ دہن کا مسکرانا　　بے رنگ بکاؤلی نے جانا
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں　　ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا　　آتش پہ کباب دیکھا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر　　دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں　　خورشید تھا آتش شفق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز　　عالم میں رہو گے روز افروز
بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا　　گلزار خلیل رو برو تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور　　سرسبز ہو قوم آتشی پر
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں　　شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں　　جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا　　بخشا مہِ انجمن نے ہالا
ہالہ مہِ انجمن کا کیا تھا　　وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے　　بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا / پھانستی ہو وہ سب ملیلے والا
کیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا / اوپر اوپر ہرے اُڑانا
یہ سُن کے پری وہ سوختہ تن / بولی کہ سُن اے صلاح دشمن
میں جاکے جلی تو غم نہیں ہے / ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو / تم نام نہ واں سنکے جلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے / جلتا ہے یہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے / ہیں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا / لیکن اسکی سنے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت / با قسمت یا نصیب یا بخت
واں جاکے وہ سوچی اسکو لالگ / سے چلے تو راجہ لائیگا راگ
سنگت کا پکھاوجی بنا کے / گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے / مہتاب ہیں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے / باقی ساقی شراب دے دے
اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور / اپنے منہ سے جواب دے دے
لیلے میں سنے سنجھے بنایا / مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اُس گل سے نسیم زر نہیں مانگ / جو چاہے وہ حساب دے دے

نصف پتھر ہوجانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بد دعا سے اور بتخانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور ڈھونڈھنا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری / یوں بانسے قلم ہوا ہے جاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی / گائی اور ناچی بڑی تھی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے / جو چاہئے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو / مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہو اس کا سچ ہے / خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری سے بیباک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا ہے تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین
اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
قالب ترا انقلاب کھائے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اُس وقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سُن کے
خواہش جو بلا سے جاں ہوئی وہ
ناری سختی بڑی ہوئی ابتلائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں محمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی بکاؤلی ہے
وہ چیخ کے بول اُٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنکے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اُتاری سب نے پوشاک
پردے کا جو کچھ خیال آیا
لے ننگ سے یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیکھئے چل

راجہ اندر ہوا غضبناک
لے چشمہ آفتاب سے آب
جا تیری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے نکلے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
بیکل ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچھی تھی سوگیا شل
عاشق کی طرح بکھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بت سی وہ ایک مٹھ کے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
حسن بت تن سے کہے وہ جامہ تنگ

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جھک جھک کے بدن چرائی آنکھیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو
جھنجھلا کے کہا کہ لاکر مانو
بولا وہ جو خوش تم ایسی کیا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہونچاؤ
عریانی کے ننگ سے بچائیں
شہزادے نے کرکے پاس انکا
پریاں ہوئیں رخصت سج کے خورسند
تنانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
واقف اس بتکدے سے تھیں وہ
وہ جا سے بکاؤلی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در
عقدہ کھلا شام ہوکر اسکا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ
چومے جو قدم اس آدمی نے
نرمی سے کہا بخیر گذری
ہیبت تو بڑھے وہاں پہ تھر
گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم
جذبہ یہ تم پاس کھینچ لایا
تا آج حسب نشانے کہکر

باہر بصد آب و تاب آئیں
جانا کہ حریف نے اڑا لی
رک رک گئے قدم بڑھاتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
ہمکو بھی بکاؤلی نہ جانو
ڈرنے کا نہیں ہیں کیا بلا ہو
بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
ستّار کی قسمیں سب نے کھائیں
خلعت سا دیا لباس انکا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
اس گل کو اڑا لیا صورت بو
سنگلدیپ اسکو لے گئیں وہ
دیوا سے کو باؤلی بتائی
ششدر رہا چار سمت پھرکر
شق مثل قمر ہوا در اسکا
جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر
تھا کوہ شرین کے آگے پاسنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
تم کیونکر بچے کہا مقدر
بکھری پریوں کے گھر سے اڑکے ہم
سختی اب دور ہو خدایا
بولی وہ پری کہ اسکے ہلاور

یہ در مانند چشم بیخواب — ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب
پیش از دم صبح تم نکل جاؤ — کل پھر سر شام خیر سے آؤ
مصرف کو جو ہو ضرورت زر — زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے — دامن پہ مثال اشک ڈالے
صدقے وہ بشر ہوا پری کے — قدموں پہ گرا بکاؤلی کے
پاؤں اُسکے چھوئے تو تیغ ہو پائے — آنسو چھوٹے گہر اُٹھائے
نکلا جیسے ہی منڈ کے باہر — پتھرا گئی چشم حلقۂ در
آنکھوں سے پیر دیکھتا ہوا پھر — آگے کو بڑھا چلا سوے شہر
بازار میں جا کے بیچے گوہر — مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
گھوڑا جوڑا نفیس جو لی — جو جو شئے چاہیے تھی لے لی
جب منزل شب میں رہرو روز — لے گوہر شبنم آیا پُرسوز
گنبد گردوں کا تھا جو بے در — تاباں ہوے اسمیں ماہ و اختر
سیاروں سے کر کے استخارہ — اُس برج کے رُخ وہ مہ سدھارا
دیکھا تو در قبول وا تھا — رگڑا کئیں ایڑیوں پہر جا تھا
شب سایۂ زلف میں بسر کی — لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
تقدیر نے راستہ بھلایا — راجہ کے محل کی جانب آیا
چھتراوت اُس کی ماہ پارہ — غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ
دیکھا تو جوان تھا چہ تصویر — صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر
یاں پردہ در نظر سے گذرا — داں تیر نظر جگر سے گذرا
دستور تھا جسکو بیٹی چاہے — باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہے
راجہ سے خوش خبر بیاں کی — مشاطۂ خوش ادا رواں کی
شادی کی خبر سے وہ یکایک — خوش خوش آئی کہا مبارک
اُس شہر کا چتر سین راجا — دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آئے | ہر شہر کے تاجدار آئے
راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر | طالع قسمت نصیب تقدیر
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا | کیسی رانی کہاں کا راجا
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ | غنچے کی گرہ میں کیا ہو جز داغ
الفت میں ہے آبرو گنوانی | کب چشمۂ مہر میں ہو پانی
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور | ڈر ہو مرے سامنے سے چل دور
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ | قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
پایا جو جواب قسطر نے | آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
تقدیر کی بات ہونے والی | زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
من سانپ کا ران سے نکالا | بازار آیا وہ سر و بالا
کیا جوہری مول کرتے اسکا | راجہ تک رفتہ رفتہ پہنچا
جو مدعیوں کا مدعا تھا | مسروقہ وہ ملا تو کیا برا تھا
جھنجھلا کے ڈرا کے قتل بتا کے | سمجھا کے دبا کے دست پا کے
من چھین کے چوری کے بہانے | بھیجا کھلے بندوں قید خانے
زنداں میں وہ نیم جان و بسمل | زنجیر میں پانو زلف میں دل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا | دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
دارا و غم محبس خفا نے | رانی سے کہا کسی بہانے
یوسف کی خبر لے او زلیخا | زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا
اس چاہ میں کام ہو نہ جائے | یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
دانا تھی وہ جیلخانے آئی | بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر | تھی حلقہ بہ حلقہ زلف زنجیر
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے | زنجیر اسکی ہلائی اسنے
پابند بلا وہ مبتلا تھا | کب اسکو خیال شاہ پیا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی
بڑی گڑوائی سبب گنہ کی

قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
انکار رہو گر نہ جاسے دو آؤ

اٹھا وہ پری کی آرزو میں
یہ سمجھی کہ بچھا نشا گفتگو میں

واں دھن کہ صنم سے کدخدا ہوں
یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں

تجویز میں اپنے اپنے مفہوم
آئی تو محل میں مچ گئی دھوم

راجہ نے نشارہ داں کا بلایا
سعدین کا زائچہ ملایا

دن ڈھل کے وہ ماہ نو سر شام
غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام

دروازے کا مڑ کے دیدہ وا تھا
توبہ کا در کھلا ہوا تھا

آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ
دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ

دیکھے جو حنائی ہاتھ سے لگ
تلووں سے پری کے لگ گئی آگ

پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
کس راہ کی زن نے رہزنی کی

توفیق یہاں تلک جو لائی
مہندی پاؤں کی گھس نہ جائی

قدموں سے لگا پسا ہوا وہ
مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ

رانی کی وہ مہر سر گرانی
راجہ کی تھی وہ تہہ حکمرانی

من بھتے اپنا قید ہونا
داموں سے کے لیے وہ صید ہونا

چتر اوست کا وہ آپ آنا
سب کہہ کے کہا خدا سے دانا

شادی نہیں کچھ خوشی سے بانی
بے تیرے تھی مرگ زندگانی

غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا
شادی کے بہانے غم سے چھوٹا

بیاری یہ نہیں حنائی چنگال
ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال

زنجیروں سے پاؤں میں نکالا
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا

کاٹے ڈسیں بال اگر چھپے ہوں
چھالے پڑیں گال اگر چھوئے ہوں

بگڑا ہی وہ کہ چل بنا سہ پائیں
مجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں

میری ہی تجھے ایسی کیا لگی تھی
تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ
آسان نہیں کڑی اُٹھانا

پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
فولاد جگر کہو تو میں ہوں

سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی
آسایش جاں نہ تندرستی

اس تنگ نفس کو سمجھی ہوں باغ
سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ

قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن
پتھر کے تلے دبا ہے دامن

کب جائیگی عقل مصلحت سنج
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج

راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو

وہ معتقد اسکے پاؤں چھو کر
اُٹھا جھپالی پہ رکھ کے پتھر

آیا تو وہ نوعروس زیبا
بستر پہ تھی تشکل نقش دیبا

نیند آئی جو تھی بعد کدورت
تھی چین جبیں شکن کی صورت

سوئی تو تھی انتظار میں وہ
جاگی تو ملا کنار میں وہ

یوں سوئے جو کٹی شب جدائی
سو خفتہ نصیبی اپنی جانی

تھے صبح سے دونوں شام جویاں
شب کو ہوئے داخل شبستاں

دونوں تھے تصوروں میں کامل
خلوت خانہ تھا گوشۂ دل

دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے

کروٹ سے لے کر وہ عنبریں مو
اُٹھ بیٹھنے کا سوچتا تھا پہلو

چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دلگیر
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر

حسرت چھائی تو کھو گئی وہ
غفلت آئی تو سو گئی وہ

غافل اُسے چھوڑکر اُٹھا یہ
لپکا تو پری سے رُخ کیا یہ

یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار

دوری نے جو حد سے کی درازی
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی

اُس رات کو چپکی ہو رہی وہ
کل سمجھونگی کہہ کے سو رہی وہ

وقت سحر اسکو پا کے رائی
ہم بستر خواب سرگرانی

خلوت خانے سے باہر آئی — دربانوں کے پاس در پہ آئی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج — جاؤ ہمراہ صاحب تاج
سایے کی طرح سے ساتھ رہنا — جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
جسوقت چلا پری کا مانوس — سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا — وہ برج وہ سمت بام دیکھا
اک اُن میں سے رانی پاس آیا — کی عرض کہ لو سراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے — اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اُس انجمن کو دیکھا — یکجا بُت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک دُرج میں ہے — شمس و قمر ایک بُرج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ — واں بولی بکاؤلی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار — لپکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا — پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگئے بیچارے — انعام دیا کھلے خزانے
پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ — اور اُس سے کہا کہ لو سنا کچھ
بنیاد بنیاد کھدوائی — جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز و شب بھر — اب دیکھو کے جاگے خاک پتھر
سنتے ہی وہ بے قرار لپکا — دوڑا بے اختیار لپکا
دیکھا تو وہ ماہرو نہ وہ بُرج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج
شور اُسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد بر افگنی کی بانی — ہے سوت مری وہ تیری رانی
کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور — رہنے کو ملا نہیں مکان اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت بے ننگ — سنگت بجائے خوشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہو — جا چھوڑ دونوں صبر کر خدا سے
حیرت زدہ چپ خموش سنسان — ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی — گویا وہ ہوا بخشش بیانی
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں — تو خار سی بیخ کن ہوئی کیوں
دوراں کو تھا انقلاب منظور — مختار خدا ہے بندہ مجبور
اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس — راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس
جب کام روا ہوئی وہ رانی — گذری یہ ہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہوا اب قلم کا دہقاں — صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں
جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد — جیسے کہ ہو گرد باد برباد
دہقاں تھے نئی زمیں سے جویا — سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
جب چین سے کر چکے تردد — کھیتی کی ہوئی زمیں پہ و رشد
دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ — کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا — سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا
وہ بانجھ تھی جب حمل سے ہو لی — سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
ایام سفر رہی گذر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور — فلفل سی وہ ماں تھی پیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پئے نظارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ — یعنی تاج الملوک دلتنگ
چرچا سنکر چلا کہ دیکھوں — دیکھا تو کھلا نظر میں افسوں
جانا کہ پری وہ سرو سیمتن — سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا — اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے — دولت صدقے پہ پھیر دے

دہقاں نے کہا کہ میرے صاحب
یہ باتیں نہیں تمہیں مناسب

دختر جو پسند یہ لقا ہے
بکتی نہیں لعل بے بہا ہے

پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار

سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام

یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
آیا کیا اسکو دیکھنے روز

دن دن اسے ہو گیا قیامت
بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت

چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے

خواہاں ہوئے ہمو قار اسکے
دہقاں ہوئے خواستگار اسکے

کہہ بیٹھے بزرگی اپنی دہقاں
بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں

شہزادے نے ایک دن پھر آ کر
شادی کو کہا حیا اٹھا کر

دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ
تم کو وہ وقار ہیں ہر گاہ

صحبت ہو برابری میں زیبا
نسبت ہو برادری میں زیبا

دہقاں زادی وہ بے محابا
بول اٹھی گھبن آن سے کہ بابا

خواہاں سے مرے نہ ہونا ناخوش
ہے دختر رز نصیب مے کش

مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
وقت آنے کا منتظر رہا وہ

یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن

گذرا بارے جو عہد سختی
آئے ایام نیک بختی

دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ

واں تھا کسی وقت کا دفینہ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ

کہنا نہ کسی سے کہ میں پری ہوں
تو کیا جانے بکاؤلی ہوں

اک آدمی زاد کی بدولت
لائی ترے گھر یہ مجھ کو قسمت

ناگاہ سمن پری لیے تخت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت

رخت اسنے صحن کے تخت اڑایا
داماں نظر سے منہ چھپایا

چترآوت کا محل جدھر تھا / سوتا جس رخ وہ سیمبر تھا
واں جاکے ہوئی وہ نور آگیں / پروانے کے اپنے شمع بالیں
بیدار کیا وہ ماہ پیکر / جاگا تو تھا آفتاب سر پر
اُٹھا جو وہ کہہ کے آ دُہائی / آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی
منہ دیکھتے ہی بکاؤلی کا / سایہ اُسے ہو گیا پری کا
بولی وہ بکاؤلی سیانی / ہے سوت مری یہی وہ رانی
بولا وہ کہ لونڈی ہے تمہاری / یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
چوٹی ہے مری تو ہاتھ ان کے / چل آ کہ چلا میں ساتھ ان کے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر / میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
یہ بات بکاؤلی کو بھائی / شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں / کیا دور تھا گلشن نگاریں
مدت کے جو بعد گھر میں آئے / کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے
فردوس کی بیسوا کہ وہ دلبر / محمودہ دیونی کی دختر
چترآوت چترسین کی جان / آرام ارم بکاؤلی جان
ان چاروں میں ایک مست بادہ / پورب کا پادشاہ زادہ
پانچوں سے پنجہ وفا تھے / یا خمسہ مطلع صفا تھے
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع / آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا / حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو / اطراف سے مملکت کے ہیں لو
جو جو آیا بلا تکلف / اک قافلے سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدردانیاں کیں / مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجتمع بد و نیک / رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
روح افزا سے بکاؤلی کو / الفت تھی روکی دل لگی کو

رُکنا ہوا اُس پری کا مشکل — یہ دل لگی اب لگا سکے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیرزادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستاں آئی — یوں شاخِ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے — روکا جو یہاں کئی مہینے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی — یا آتشِ مہر کا دُھواں تھی
وہ مست مئے فسانہ گوئی — مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیر زادہ بہرام — گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی — ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے — بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکلِ شب سے رُخِ خورشید — تاباں ہوا بہرِ چشمِ امید
دیکھا تو ماہِ نو کا تھا برج — رکھتا تھا درِ نگاہ وہ درج
بیتابی سے نے کچھ قرار پایا — مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی — سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا — مانندِ شعاع وہ منہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی — ناگاہ وہ مستِ خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر — مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا — مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی — انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا — رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام — تھا غم سے کنارِ گور بہرام
تنہا وہ حسن پری تھی اک روز — قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدا سے روح افزا
بولی وہ از سے لشیر بڑی سے
شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اس سے ہو راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی حور
پوشیدہ گھر اسکے لائی اسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس نہ تجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کرکے
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
شاطر کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آکر جو نہ پاسکے وہ کون
سوچی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بہرام اُس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اُسکو سوجھی
ہاتھ آسکے نہ پاسکے جو وہ مجذوب سا

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاولی ہے
ہمتا سے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہونچی زمانے بلبل کو وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
منھ بولی بہن بنائی اسکو
چھوڑا اُسے منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ سے کہا یہ میری صورت
اور آئینہ تیرے رو برو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اُس کی ہوئی جو پیار کرکے
خط بھی وہ کاکلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
کہہ دل کی یہ کہہ کے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اُسے سمجھ کر
بولا تو بات کیا ہے بوجھی
ہو کر نہ دکھائی دے وہ محبوبا

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں تجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی پہیلی میں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
مرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا نک
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جا کے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بد بیں سمجھ کے گو رکا نام
طوق اُس کو طلسم کا پنہایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
عجاز تھی اک خواص اُسکی
اک دن پنجرا اٹھا اسکے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
کہ اُسکو لے چلے جلانے
شہزادہ بکاولی کے ہمراہ
دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
جلنے سے پناہ دے کے اُسکو

تقریر سنی ہوئی سنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منہ بولی بہن نے میری بوجھی
ہمراہ اسے کیوں نہ لائی تو یاں
جا کر طلبی اسے سنائی
ساتھ اسکے زنانے میں گیا وہ
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
بادام منقشر کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
وہ تجھکو بتاؤں سحر سے گور
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اسے سرو نے بنایا
شب کو اسے آدمی بنائی
و مسانس تھی وقت خاص اسکی
حسن آرا کو وہ گل سمجھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غصہ غضب اس پری کو آیا
آتشکدے میں جلاؤ اسکو
تقدیر کے سینے کار خانے
گذرا اسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آگئے لیکے اسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا — بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
قابل یہ جلانے کے ہے فاسق — روح افزا کا ہوا ہے عاشق
بولی وہ بکاؤلی کہ قربان — یہ کون سی فہم ہے بچی جان
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا — کیونکر ستم اس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے — تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار — تب عیب نہ تھا تو اب ہے کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود رسا کی — سوچی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جس طرح کے انداز — شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
دو ساز کو اب ملے خوش آہنگ — دو راز ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور — فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جو اس سرے میں آکر — آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی ان گلوں کو بیخار — سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح انھیں بہم ملایا — بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد — گلزار نسیم نام بنہاد
بشنید و نوید ہاتفے داد — توقیع قبول روزیش باد

۱۲۵۴ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپی
مارچ ۱۹۲۳ء

" [illegible]

عبدالمجید [illegible] —

" غزل [illegible] —

DUE DATE

ہماری چند مشہور کتابیں

[illegible]